سید یونس الحسنی

وہ نفرتوں کے نقیبِ بد ہیں

روزنامہ ''نوائے وقت'' ۱۸/اگست ۲۰۰۲ء میں یہ فکر انگیز اور فوری اہمیت کی خبر شائع ہوئی ہے کہ حکومت ہند نے قادیانیت کے جنم بھوم قادیان میں ایک تربیتی مرکز قائم کیا ہے جہاں قادیانیوں کو تخریب کاری اور دہشت گردی کی باقاعدہ ٹریننگ دے کر پاک سرزمین میں بھیجا جا رہا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ کوئی نئی بات نہیں البتہ معروضی حالات میں اس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ ہم شروع دن سے اس طبقۂ ضالہ کی غارتگرِ ایمان و وطن کارروائیوں سے اربابِ بست و کشاد کو حتی المقدور آگاہ کرتے آ رہے ہیں۔ یہ بڑی تعجب خیز بات ہے کہ ہر معاملے کا کماحقہٗ علم ہونے کے باوصف وہ اس سلسلہ میں سنی ان سنی کی لایعنی روش اختیار کیے ہوئے ہیں۔ جس پر ہر محبِ وطن کو بجا طور پر تشویش ہے بیشتر ازیں اسی قبیل کی بہت سی خبریں اخبارات میں چھپ کر صاحبانِ شعور و عقل کو مضطرب کرتی رہی ہیں۔ قادیانی ہر بندھک کمیٹی کی ایجنٹ اور اس خود کاشتہ پنتھ کی زباں دراز ''پجارن'' کئی دفعہ انڈو پاک جغرافیائی سرحدوں کو تسلیم کرنے سے کاملاً انکار کر چکی ہے مگر کسی نے اُسے روکا ٹوکا نہ ہوڑا ہٹکا۔ اُس راندہ درگاہ کے خیالات بُرے طور پر پامال شدہ ہیں۔ وہ وطن دشمن گروہ کی پروردہ ہے۔ بارہا اپنے ایسی خواتین کا وفد لے کر ہندوستان سے محبتوں کی پینگیں بڑھانے کے لیے دلی کی یاترا کر چکی ہے۔ واہگہ بارڈر پر بھارتی فوج کے سورماؤں کے ساتھ رقص اور انہیں مٹھائیاں کھلانے کی باتیں تو اس کے لیے عام ہیں۔ وہ اپنے سسرالیوں (قادیانیوں) کی بہر طور نمک حلالی کے مظاہرے کرتی رہتی ہے۔ ان کے خلیفۂ بابکار مرزا قادیانی کے پسرِ ناہموار مرزا البشیر الدین محمود نے قادیان میں ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا: ''ہم ہندوستان کی تقسیم پر رضامند ہوئے تو خوشی سے نہیں بلکہ مجبوری سے اور پھر یہ کوشش کریں گے کہ کسی نہ کسی طرح پھر متحد ہو جائیں۔''

(روزنامہ الفضل قادیان ۱۷/مئی ۱۹۴۷ء)

قیامِ پاکستان کے بعد سرگودھا کے نواح میں دریائے چناب کے کنارے ''چک ڈھگیاں'' نامی بستی کو اپنا مرکز بنا کر مرزائیوں نے اُس کا نام ربوہ رکھ دیا۔ سر ظفر اللہ قادیانی نے بطور وزیر خارجہ اپنی وزارت کی پوری توانائیاں استحکام پاکستان کی بجائے مرزائیت کی تبلیغ اور اُسے قوت مقتدرہ بنانے میں صرف کر دیں نیز اس دارالکفر والارتداد کی بھرپور سرپرستی بھی کی۔ مسلمانوں نے سخت ترین جدوجہد کے بعد اس کا نام تبدیل کرایا اور اُسے ''چناب نگر'' کی شناخت دی ہے۔ یہاں مرزا غلام احمد کادیانی کی بیگم نصرت جہاں اور مرزا البشیر الدین محمود کی بیوی مدفون ہیں۔ ایک بورڈ اُن کے مدفن پر لگوایا

گیا تھا جس پر تحریر تھا:

''ارشاد حضرت خلیفۃ المسیح ثانی''

''جماعت کو نصیحت ہے کہ جب بھی ان کو توفیق ملے حضرت ام المومنین (مرزا کی بیوی) اور دوسرے اہل بیت (مرزا کے گھر والے) کی نعشوں کو مقبرہ بہشتی قادیاں میں لے جا کریں۔ چونکہ مقبرہ بہشتی کا قیام اللہ تعالیٰ کے الہام سے ہوا ہے اس میں حضرت ام المومنین اور خاندان حضرت مسیح موعود کے دفن کرنے کی پیشین گوئی ہے اس لیے یہ بات فرض کے طور پر ہے۔ جماعت کو اسے کبھی نہیں بھولنا چاہیے۔'' (ثبوت حاضر ہیں'' از محمد متین خالد ص ۸۴۷۔۸۴۸)

قادیانیوں نے ایسے ہی الہامات کے تحت اپنے تئیں منظم کیا اور ہر طرح کا رسوخ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ میں یہ بات درج ہے کہ جنرل یحییٰ جب مجیب الرحمٰن سے بات چیت کے لیے ڈھاکہ گئے تو مرزا قادیانی کا پوتا ایم ایم احمد ان کے ہمراہ تھا۔ مشرقی پاکستان میں اس کی پراسرار سرگرمیوں پر شیخ مجیب نے شدید اعتراض کیا، جس وجہ سے اسے واپس بھیج دیا گیا۔ اُس نے ارباب حکومت کو اس بات کا قائل کر لیا تھا کہ مغربی پاکستانیوں کی مشکلات دور کرنے کے لیے مشرقی پاکستان سے نجات از بس ضروری ہے۔ جنرل اختر ملک نے ضد کر کے ۱۹۶۵ء کی جنگ شروع کرائی۔ ۱۹۷۱ء میں اُس کے چھوٹے بھائی جنرل عبدالعلی ملک نے پوری تحصیل شکر گڑھ کسی مزاحمت کے بغیر انڈین آرمی کو پیش کر دی تھی۔ یہ ریکارڈ کی باتیں ہیں۔ ان سب کارندوں نے پاکستان کی سلامتی، استحکام اور مضبوط دفاع کو کبھی بھی اپنی صلاحیتوں کا مرکز و محور نہیں بنایا بلکہ اپنے پیشوا کے سامراجی الہامات کی تکمیل کے لیے وقتاً فوقتاً مشکور سعی کرتے رہے۔

مذکورہ بالا خبر اسی مکروہ سلسلے کی نامسعود کڑی ہے۔ کچھ عرصہ پہلے ایک مؤقر روزنامے میں یہ بھی شائع ہو چکا ہے کہ پاکستان کی بعض سربرآوردہ شخصیات اور مقبوضہ کشمیر میں مجاہدین کے لیڈروں کو قتل کرنے کے لیے حکومت ہند نے قادیانی پنتھ سے رابطہ کیا تھا۔ جواباً انہوں نے اپنے آقایانِ ولی نعمت کی دہشت گرد تنظیم ''موساد'' سے مدد طلب کر لی۔ اسرائیل سے اس سپیشل گروپ کے کمانڈوز قادیان آئے اور مرزائی نوجوانوں کی مشہور جماعت سے رضا کاروں کا انتخاب کر کے انہیں خفیہ مقامات پر باقاعدہ تربیت دینا شروع کر دی۔ دلّی میں مشہور بھارتی فلم سٹار شترو گن سہنا کا بنگلہ ان کی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ شیو سینا کے ایک ذمہ دار لیڈر نے بیان دیا تھا کہ ''ہم نے قادیانیوں کو اس مقصد کے لیے چنا ہے کیونکہ وہ مسلمانوں ایسے نام رکھتے اور خود کو مسلمان کہلواتے ہیں۔ ان کے ذریعے ہماری منزل آسان ہو جائے گی۔'' چنانچہ کچھ دن ایسے بھی آئے کہ مقبوضہ وادی میں مجاہدین کے کئی نامور کمانڈرز شہید کر دیئے گئے تھے۔

امر واقعہ یہ کہ کادیانی گروہ عالمی استعماری کارروائیوں میں ففتھ کالم کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی دسیسہ کاریوں کا ہدف صرف اور صرف مسلمان ممالک ہیں۔ ترکی خلافت کے اختتام پر قادیان میں جشن منایا گیا اور انگریزوں کی کامیابی پر دیسی گھی کے چراغ جلائے گئے۔ مشرقی پاکستان کے بنگلہ دیش بننے پر باقی ماندہ پاکستان کے قصبہ سابقہ ربوہ حال چناب نگر اور قادیان میں بیک وقت چراغاں کیا گیا اور مرزا کے خود تراشیدہ پیشگوئیاں پوری ہونے پر ایک دوسرے کو مبارک بادیں بھی دی گئیں۔

نئے زمانے میں اب نیا ہتھیار آزمایا جارہا ہے کہ ''گریٹر پنجاب'' کا ڈول ڈالا جائے، جس کے لیے سردست زبان کی بنیاد پر اکٹھ کی باتیں، سندھی اور مہاجرین میں سر پھٹول کرا کے، اردو زبان کو رسوا کیا جائے۔ بہادر بلوچوں، دلاور سرحدیوں اور غیرت مند سندھیوں کو باہمہ گردست و گریباں کرایا جائے۔ سرائیکی پٹی کو اپنے مفروضہ حقوق کے لیے ابھارا جائے یا پھر سرحد بلوچستان کو ''سندھی راگ'' میں سنگت کرنے کی تلقین کی جائے اور ان کی لفظی توپوں کا رخ انتہائی چابکدستی کے ساتھ غیر محسوس طریقے سے اہل پنجاب کی طرف موڑ دیا جائے۔ گزشتہ ادوار میں ''جاگ پنجابی جاگ، تیری پگ نوں لگ گیا داغ'' قسم کے اخباری اشتہارات اسی سازش کا شاخسانہ تھے۔ چونکہ یہ ملک دین کے نام پر معرض وجود میں آیا تھا۔ اس لیے آج کل یہ حربہ ضروری سمجھا گیا کہ اس کی مذہبی شناخت مشکوک کر دی جائے۔ زبان کی عصبیتِ قاہرہ پیدا کر کے وجود کے ایک جزوِ ترکیبی کو درجۂ کل دے دیا جائے۔ راقم کے نزدیک اس سے بڑھ کر غداری، وطن دشمنی اور مسلم آزاری کی انتہا کوئی نہیں۔ یہ بات بلا جھجک کہی جا سکتی ہے کہ یہ بھی ارتداد ہی کی ایک قسم ہے۔ جس کی گھناؤنی کیفیات ہم سب کو لمحہ فکریہ فراہم کرتی ہیں۔ ارباب حکومت ان ''باگڑ بلوں'' کا سختی سے محاسبہ کریں جو حیلے بہانوں سے وطن عزیز کی شکست و ریخت (خاکم بدھن) کو اپنی کامیابی کے لیے لازم خیال کرتے ہیں۔ ہم قادیانی بہروپیوں کو لائق مخاطبت ہی نہیں سمجھتے۔ البتہ حکومتی بزرجمہروں کی اُن سے الفت ورافت پر شدید احتجاج کرتے ہیں۔ جن کی ارتدادی سزا دنیا کے تمام اصول وضوابط کے تحت موت ہے، صرف موت کیونکہ وہ لوگ:

منافقت کا رخ جفا ہیں
وہ ہر قدم بولہب نما ہیں
وہ بوالہوس اور رقیبِ بد ہیں
وہ نفرتوں کے نقیبِ بد ہیں

پروفیسر خالد شبیر احمد
ناظم اعلیٰ مجلس احرار اسلام پاکستان

(قسط نمبر ۷)

اکابر اسلام اور قادیانیت

''الفضل'' کا اجراء (۱۹۱۳ء): سلطنت عثمانیہ کے خلاف مکروہ پروپیگنڈہ کیلئے حکیم نورالدین کے دور کا ایک اور کارنامہ قادیانیوں کے جریدہ ''الفضل'' کا اجراء ہے جب مسلم اخبارات بالخصوص کلکتہ سے ''الہلال'' اور لاہور سے ''زمیندار'' ترکوں کے بارے میں مسلمانانِ ہند کے دلی جذبات کے اظہار کا مؤثر ترین ذریعہ بن چکے تھے تو قادیانیوں نے بھی اپنے مذموم جذبات کے اظہار کے لئے ایک اخبار کی ضرورت کو بڑی شدت کے ساتھ محسوس کیا تا کہ وہ بھی اپنے ''نبی'' کی تعلیمات کے مطابق بلادِ اسلامیہ کے اندر برطانوی سامراج کے ڈھنڈورچی بن کر خلافتِ عثمانیہ کی مخالفت کا فریضہ بطریق احسن ادا کر سکیں۔ مرزا بشیرالدین محمود خود ''اختلاف کے بارے میں صداقت'' کے صفحہ نمبر ۲۶۹ پر اس طرح تحریر کرتے ہیں:

> ''۱۹۱۳ء میں میرے حج سے واپسی پر دو اہم کام ہوئے۔ میں قادیان سے ایک اخبار کی اشاعت کو بڑی شدت سے محسوس کر رہا تھا۔ کیونکہ احمدیوں میں مولانا ابوالکلام آزاد کے اخبار ''الہلال'' کا اثر ورسوخ دن بدن بڑھ رہا تھا جس سے اس بات کا خطرہ زیادہ شدید ہو گیا کہ کوئی احمدی اس اخبار کے زہریلے پروپیگنڈہ سے متاثر نہ ہو جائے۔ چنانچہ میں نے اسی ضرورت کے تحت جناب خلیفۃ المسیح سے اپنا اخبار جاری کرنے کی درخواست کی، جنہوں نے کمال مہربانی سے مجھے اس کی اجازت دے دی''۔

حکیم نورالدین کی موت: مارچ ۱۹۱۴ء میں حکیم نورالدین آنجہانی ہو گئے، جس کے ساتھ ہی حکیم صاحب کے بعد اُن کی جانشینی کا مسئلہ بڑی شدت کے ساتھ اُبھر کر سامنے آ گیا۔ مرزا بشیرالدین محمود، جس کی عمر اُس وقت بمشکل پچیس سال تھی، اس منصب کے سب سے مؤثر امیدوار تھے۔ جبکہ اس کی مخالفت میں خواجہ کمال الدین، مولوی محمد علی مولوی صدرالدین اور ڈاکٹر بشارت احمد تھے جو اس بات کو بخوبی جانتے تھے کہ حکیم نورالدین اپنے بعد مرزا بشیرالدین محمود کو اپنی گدی پر بٹھانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے عقائد اور انجمن احمدیہ کی جانشینی کے تنازعے چھوڑ دیئے۔ حکیم نورالدین نے ہر نازک موقعہ پر مرزا بشیرالدین محمود کا دفاع کیا اور اس کے مخالف گروہ کی حوصلہ شکنی کی تاکہ مرزا محمود کی جانشینی کی راہ صاف ہو سکے۔ شاید یہی وجہ تھی ۱۳ مارچ کو حکیم نورالدین کی وفات ہوئی تو ۱۴ مارچ ۱۹۱۴ء کی اشاعت میں ''پیغام صلح'' جو مرزا بشیرالدین کے مخالفین کے زیر اثر تھا حکیم نورالدین کی موت پر مندرجہ ذیل تبصرہ چھپا: